مولانا شہاب الدین ندوی

قسط : ۲

متاع یا متعۂ طلاق پر ایک تحقیقی نظر

قرآنی حقائق و معارف کی روشنی میں

۱- وہ مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہوا اور اسے ہاتھ بھی نہ لگایا گیا ہو (جس سے مباشرت نہ کی گئی ہو)

۲- وہ مطلقہ جس کا مہر تو مقرر ہو مگر اسے ہاتھ نہ لگایا گیا ہو۔

۳- وہ مطلقہ جس کا مہر بھی مقرر ہو اور اسے ہاتھ بھی لگایا جا چکا ہو۔

۴- وہ مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہو مگر اسے ہاتھ لگایا جا چکا ہو۔

آیندہ سہولت کی خاطر ان مذکورہ چاروں کی اصطلاحات کی شکل میں بیان کیا جائے گا۔

سلف کا مسلک اس موقع پر سب سے پہلے سلف صالحین کا مسلک بیان کیا جائے گا۔ پھر فقہائے اربعہ کا مسلک بیان کرکے اس پر تبصرہ کیا جائے گا۔ کہ ان میں سے کونسا مسلک قرآنی منشار سے زیادہ قریب ہے اور جمہور مفسرین و ائمہ کا رجحان کیا ہے؟ چنانچہ سلف صالحین کے مسلک کے بارے میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث امام ابن جریر طبری نے کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ متعۂ طلاق کے بارے میں اختلاف ہے کہ ارشاد باری " وَمَتِّعُوهُنَّ " میں آیا حکم وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے؟ پھر اس بارے میں چند اختلافی مسلک بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ اس موقع پر بیان کیا جاتا ہے۔

۱- پہلا مسلک یہ ہے کہ بعض اہل علم کے نزدیک یہ حکم وجوب کے لئے ہے جو طلاق دینے والے کے مال میں متعہ کا اثبات بالکل اسی طرح کرتا ہے جس طرح کہ دوسرے واجب قرضہ جات کے سلسلے میں کیا جا سکتا ہے اور یہ متعہ ہر قسم کی طلاق والیوں کے لئے لازم ہے اور تابعین میں قتادہ، حسن بصری، ابو العالیہ اور سعید بن جبیر وغیرہ سے یہی منقول ہے[1] نیز حضرت علیؓ اور زہری سے بھی اسی طرح منقول ہے[2]

---

[1] جامع البیان فی تفسیر القرآن یعنی تفسیر ابن جریر طبری ۲/۳۲۹

[2] تفسیر ابن جوزی ۱/۲۸۰، احکام القرآن جصاص ۱/۴۲۸

۲۔ دوسرے مسلک کے مطابق بعض اہل علم کے نزدیک طلاق دینے والے مرد پر مطلقہ کے لئے متعہ دینا واجب تو ہے مگر مطلقہ ۲؎ کا اس میں استثناء ہے۔ کیونکہ ایسی عورت نصف مہر کی مستحق ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کو متعہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عمرؓ سے یہی منقول ہے[1]۔ اور اس مسلک کے مطابق سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۶ سورہ احزاب کی آیت ۴۹ کی ناسخ ہے۔ نیز قاسم بن محمد، شریح اور ابراہیم سے بھی ایسا ہی منقول ہے[2]

۳۔ تیسرا مسلک۔ متعہ ہر مطلقہ کے لئے ضروری تو ہے۔ مگر ہاں بعض صورتوں میں حاکم کے فیصلے کے ذریعہ طلاق دینے والے پر متعہ لازم کیا جا سکتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس معاملے کو طلاق دینے والے کا پرسنل معاملہ سمجھ کر چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ زہری سے منقول ہے کہ وہ متعہ جس کا فیصلہ حاکم کرے گا وہ "محسنون" کے ذمہ حق ہوگا۔ اور وہ متعہ جس کا فیصلہ حاکم نہیں کر سکتا وہ "متقی لوگوں" پر فرض ہوگا[3]

۴۔ چوتھا مسلک۔ حاکم کسی مطلقہ کو متعہ دلانے کے سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ بات طلاق دینے والے کے ذمہ مستحب کا درجہ رکھتی ہے۔ چنانچہ قاضی شریح نے اپنے ایک فیصلے میں اس کی تصریح کرتے ہوئے ایک شخص سے مخاطب ہو کر جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، فرمایا:۔

ان كنت من المتقين فعليك المتعة اگر تو متقی لوگوں میں سے ہے تو تجھ پر متعہ دینا لازم ہے گو اپنی طرف سے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا[4]

گویا اس مسلک کے مطابق متعہ دینا مطلق طور پر درجۂ استحباب میں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے بھی شعبی کا ایک قول اسی معنی میں نقل کیا ہے۔ کہ اگر متعہ واجب ہوتا تو قاضی صاحبان متعہ نہ دینے والوں کو قید کر دیتے مگر میں نے کسی قاضی کو ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ کسی نے شعبی سے پوچھا کہ کیا کسی کو متعہ کے بارے میں قید کیا جا سکتا ہے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی:۔

"على الموسع قدره وعلى المقتر قدره"[5]

فقہائے اربعہ کا مسلک | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا وہ سلف کے بارے میں تھا۔ اب فقہا کی طرف آیئے تو اس باب میں بنیادی طور پر دو مسلک نظر آتے ہیں جو یہ ہیں:۔

۱۔ صرف مطلقہ ۲؎ کے لئے متعہ واجب ہے اور بقیہ طلاق والیوں کے لئے مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے[6]

---

[1] تفسیر ابن جریر ۲/۳۲۹ [2] تفسیر ابن جوزی ۱/۲۸۰، احکام القرآن جصاص ۱/۴۲۸ [3] تفسیر ابن جریر ۲/۳۳۰ [4] ایضاً [5] تفسیر ابن کثیر (تفسیر القرآن العظیم ۱/۲۸۸) [6] تفسیر مظہری ۱/۳۳۲، تفسیر ابن جوزی ۱/۲۸۰، روح المعانی ۱/۱۵۴

اور عام طور پر امام شافعی کا بھی یہی مسلک بتایا جاتا ہے[1] اور یہی مسلک سفیان ثوری، حسن بن صالح اور اوزاعی کا بھی ہے[2] نیز یہ مسلک صحابہ کرام میں حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا بھی ہے[3]

۲- متعہ کسی بھی مطلقہ کے لئے واجب نہیں بلکہ صرف مستحب ہے۔ یہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔[4] مدینے کے فقہائے سبعہ کا بھی یہی مسلک تھا کہ متعہ واجب نہیں ہے[5] نیز لیث بن سعد، حکم اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی مسلک تھا[6]

ایک قول کے مطابق امام شافعی کے نزدیک ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کو متعہ دینا واجب ہے جب کہ جدائی کا باعث شوہر ہو سوائے مطلقہ نمبر۲ کے[7]

اختلاف کی بنیاد: فقہائے کرام کے نزدیک متعہ کے واجب ہونے یا نہ ہونے کی اس بحث کی بنیاد اس فقہی اصول پر مبنی ہے کہ آیا "امر" قانونی اعتبار سے وجوب کا مقتضی ہے یا محض استحباب کا؟ تو جن فقہا کے نزدیک یہ برائے وجوب (ظاہر امر کے اعتبار سے) ہوتا ہے ان کے نزدیک یہ حکم واجب ہے اور جن کے نزدیک اس وجوب کسی مناسب قرینے کی بناء پر ہٹایا جا سکتا ہے ان کے نزدیک یہ محض ایک مستحب چیز ہے اس اعتبار سے فرمان الٰہی "متعوھن" کو بعض نے وجوب پر اور بعض نے ندب (استحباب) پر محمول کیا ہے[8]

اس اختلاف کا دوسرا سبب قرآنی آیات کا "ظاہری تعارض" ہے۔ چنانچہ بعض آیات (احزاب ۴۹) میں متعہ کو مطلقاً واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض میں (بقرہ ۲۳۶) صرف مہر کے عدم تعین کی بنا پر اس کو واجب بتایا گیا ہے جب کہ بقرہ ۲۳۷ میں متعہ کا سرے سے کوئی تذکرہ ہی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ان وجوہات کی بنا پر اختلاف واقع ہوا۔[9]

اس اختلاف کا ایک سبب بعض قرآنی الفاظ کے فہم میں اختلاف بھی ہے چنانچہ جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ اگر متعہ ہر ایک کے لئے واجب ہوتا تو وہ صرف "محسنوں" اور متقیوں ہی کے ساتھ مخصوص نہ کیا جاتا۔ بلکہ ایسی صورت میں اس کو عمومی حکم کے روپ میں بیان کرنا ضروری تھا۔ مگر یہ ایک کمزور استدلال ہے جیسا کہ اس پر تفصیلی

---

[1] تفسیر کبیر ۱۳۸/۶، تفسیر مظہری ۳۳۲/۱ [2] احکام القرآن جصاص ۴۲۸/۱۔ تفسیر ابن جوزی ۲۸۰/۱

[3] تفسیر آیات الاحکام، محمد علی صابونی ۳۸۰/۱ [4] تفسیر کبیر ۱۳۸/۶، روح المعانی ۵۴/۱۔ تفسیر مظہری ۳۳۲/۱

[5] تفسیر کبیر ۱۳۸/۶ [6] تفسیر ابن جوزی ۲۸۰/۱ [7] احکام القرآن جصاص ۴۰۰/۱، تفسیر روح المعانی، آلوسی ۱۵۴/۱

[8] خلاصہ از تفسیر کبیر ۱۳۹/۶۔ تفسیر مظہری ۳۳۲/۱ [9] تفسیر آیات الاحکام ۲۹۵/۲

[10] تفسیر ابن جریر ۳۳۰/۲، تفسیر کبیر ۱۳۹/۶، تفسیر روح المعانی ۱۵۴/۲

بحث آئے گی۔

اور جنہوں نے ہر مطلقہ کے لئے متعہ واجب قرار دیا ہے ان کی دو دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۴۱ میں تمام مطلقہ عورتوں کے لئے عموم دکھائی دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ سورۂ احزاب کی آیت ۲۸ کی رو سے بھی (جو ازواج مطہرات کے سلسلے میں ہیں) ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورتیں بھی متعہ کی مستحق ہیں۔ جن کو ہاتھ لگایا جا چکا ہو[1] علامہ ابن جریر طبری نے اس آیت (۲۴۱) پر مفصل علام کیا ہے[2]

غرض اس طرح کئی اسباب و وجوہات ہیں جن کی بنا پر اہل علم اور فقہا کے درمیان اختلاف واقع ہوا

ایک اجماع | مگر ان سارے اختلافات کے باوجود علامہ ابن جریر نے اس سلسلے میں ایک اجماع بھی نقل کیا ہے کہ تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ مطلقہ ۱ کو سوائے متعہ یا "متاع معروف" کے اور کوئی چیز نہیں۔

اجمع الجميع على ان المطلقة غير المفروض لها قبل المسيس لا شيئ لها على زوجها المطلق غير المتعة ذكر بعض من قال ذالك من الصحابة والتابعين رضى الله عنهم[3]

گویا اختلاف جو کچھ بھی ہے وہ بقیہ تین قسم کی طلاق والیوں کے بارے میں ہے کہ آیا قانونی اعتبار سے بھی متعہ کی مستحق ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ ویسے اخلاقی اعتبار سے تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ مگر سوال صرف وجوب یا قانونی اعتبار کا ہے۔

قوی اور راجح مسلک | ان واضح بیانات سے دو چیزیں بالکل صاف ہو کر سامنے آجاتی ہیں۔

۱۔ مطلقہ ۱ کے لئے متعہ سب کے نزدیک جائز و مستحب ہے جب کہ جمہور اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

۲۔ مطلقہ ۲، ۳ اور ۴ کے لئے متعہ کا مسئلہ اختلافی ہے۔

مگر جہاں تک دلائل کا تعلق ہے اس سلسلے میں دو باتیں بہت زیادہ وزنی اور معتدل معلوم ہیں اور مفسرین و فقہا کی اکثریت بھی اسی کی تائید کرتی ہے جو یہ ہیں:-

۱۔ صرف مطلقہ ۱ کے لئے ہے متعہ واجب ہے۔

۲۔ اور بقیہ تین قسموں کے لئے وہ مستحب ہے واجب نہیں۔

اب یہاں پر ان دونوں مسلکوں کے اختلافی دلائل جہاں تک ممکن ہو گا مختصر طور پر پیش کئے جائیں گے۔

---

[1] خلاصہ از تفسیر ابن کثیر ۱/۲۸۸ [2] ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر طبری ۲/۳۳۰-۳۳۱

[3] تفسیر ابن جریر طبری ۲/۳۳۲

کے دلائل اس باب میں ہوں گے کہ متعہ مستحب نہیں بلکہ واجب ہے اور دوسری قسم کے دلائل اس سلسلے میں ہوں گے کہ متعہ ہر مطلقہ کے لئے واجب نہیں بلکہ صرف مطلقہ ما ہی کے لئے واجب ہے۔

وجوب متعہ کے دلائل جن لوگوں کے نزدیک ہر قسم کی طلاق یافتہ عورتوں کے لئے متعہ واجب ہے ان کے حسب ذیل ہیں:۔

اب آیات کریمہ ومتعوهنّ على الموسع قدره وعلى المقتر قدره، متاعاً بالمعروف حقاً على المحسنين میں متاعاً کا لفظ نحوی اعتبار سے "متعوهن" کا مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے جو اسم مصدر کی وجہ سے بطور تاکید لایا گیا ہے۔ اور اس کی تقدیر اس طرح ہوگی۔ متعوهن متاعاً واجباً على المحسنين[1] ب یہ ہوا کہ یہ متعہ محسنین پر ہر حال میں واجب ہے۔

۲۔ اس میں لفظ "حقاً"، متاعاً کی صفت ہے جو تاکید مزید کے لئے بولا گیا ہے[2]

۳۔ ومتعوهنّ۔ یہ صیغہ امر ہے جو وجوب کا مقتضی ہے[2] جب تک کہ استحباب پر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے[3]

۴۔ "حقاً على المحسنين" یہ وجوب کی تاکید مزید ہے۔ کیونکہ یہ احسان کی شرائط میں سے ہے۔ اور ہر ایک آدمی کے ۔۔ی ہے کہ وہ احسان کرنے والا بنے۔ اور یہی بات "حقاً على المتقين" میں بھی کہی گئی ہے[4]

صرف مطلقہ ما ہی کے لئے وجوب کیوں؟ اب رہے وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ صرف مطلقہ ما ہی متعہ کی مستحق ہے اور باقی مطلقہ عورتوں کے لئے وہ واجب نہیں ہے تو اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے آیت ۲۳۶ میں صاف اور واضح طور پر فرما دیا ہے کہ مطلقہ ما کو متعہ ۔۔ئے اور سا مہ پر (فریق ثانی کے) جو دلائل مذکور ہیں ان کی رو سے یہ حکم وجوب کا مقتضی ہے۔

۲۔ اسی طرح آیت ۲۳۷ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے کہ مطلقہ ۲ کو نصف مہر دیا جائے۔ اس اعتبار سے دونوں آیتیں "نص قطعی" کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں کسی قسم کی تاویل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اگر متعہ مطلقہ ۲ کے لئے بھی ضروری ہوتا تو اس کو بھی نص قطعی کا ذریعہ بیان کیا جاتا۔ مگر جب ایسی کوئی صراحت موجود نہیں ہے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ متعہ صرف قسم اول ہی کے لئے واجب ہے قسم دوم کے لئے نہیں[5]

---

[1] خلاصہ مطالب از تفسیر کشاف ۱/۳۷۴، املاء من بہ الرحمان ۱/۹۹۔ تفسیر احمدیہ ملا جیون ص ۱۱۰ [2] تفسیر ابو سعود ۱/۲۳۴، کشاف ۱/۳۷۴، تفسیر کبیر ۶/۱۴۰، املاء ۱/۹۹، احکام القرآن جصاص ۱/۴۲۹ [3] تفسیر کبیر ۶/۱۳۹، احکام القرآن جصاص ۱/۴۲۹، المغنی ابن قدامہ ۶/۷۱۳ [4] احکام القرآن جصاص ۱/۴۲۹ ۔۔ ۱/۴۲۹، تفسیر قرطبی بحوالہ اضواء البیان ۱/۲۴۳ [5] مختلف مراجع سے ماخوذ۔

۳۔ شریعت کی یہ حکمت عملی اس بنا پر ہے کہ مطلقہ ۱ کو چھوڑ کر بقیہ تینوں قسموں کے لئے آدھا یا پورا یا مہر مثل (مطلقہ ۲ کو آدھا۔ مطلقہ ۳ کو پورا اور مطلقہ ۴ کو مہر مثل) ملتا ہے جب کہ مطلقہ ۱ کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ لہٰذا اس کی دل جمعی کے لئے اس کو متعہ دینا واجب قرار دیا گیا ہے [۱] اور اس میں بہت بڑی دانشمندی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اس کی دل شکنی ہوتی۔

۴۔ مطلقہ ۲، ۳، اور ۴ کے لئے متعہ واجب نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان تینوں کے لئے ایک "عوض واجب" پہلے ہی سے متعین ہے۔ لہٰذا جب کسی معاملے میں پہلے ہی سے کوئی صحیح عوض "متعین" ہو جیسا کہ دیگر "عقود معاوضہ" میں ہوتا ہے تو پھر اس صورت میں ایک سے زیادہ "عوض" نہیں مل سکتے۔[۲]

۵۔ اب رہی یہ بات کہ "للمطلقٰت متاع بالمعروف" کی رو سے یہ حکم عام معلوم ہوتا ہے۔ (جیسا کہ علامہ ابن جریر طبری وغیرہ نے اس پر مفصل بحث کی ہے) تو مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ "للمطلقٰت" میں لام "لام استغراق" کے بجائے "معہود ذہنی" پر دلالت کر رہا ہو۔ جیسا کہ متعدد مفسرین نے اس پہلو پر بھی زور دیا ہے[۳] لہٰذا اس سے مراد وہی مطلقہ عورتیں ہو سکتی ہیں جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ یعنی مطلقہ ۱

۶۔ اس آیت کریمہ (بقرہ ۲۴۱) کا شانِ نزول بھی مذکورہ بالا تمام توجیہات کو قطعیت عطا کر رہا ہے۔ چنانچہ خود ابن جریر نے اس آیت کے شانِ نزول میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب آیت ۲۳۶ نازل ہوئی تو ایک مسلمان نے کہا:۔

"اگر ہم احسان کرنا نہ چاہیں تو ہم اس حکم کے پابند نہ ہوں گے"۔ لہٰذا یہ آیت (۲۴۱) نازل ہوئی۔[۴]

۷۔ انہی تمام مشکلات کے پیش نظر بعض اہل علم نے ایک درمیان کی راہ یہ نکالی ہے کہ "للمطلقٰت متاع بالمعروف" کا حکم اگرچہ تمام طلاق یافتہ عورتوں کے لئے عام تو ہے مگر وہ سب کے لئے واجب نہیں بلکہ بعض کے لئے واجب اور بعض کے لئے مستحب ہے۔ اور اس حکم میں یہ دونوں قسم کی مطلقہ عورتیں شامل ہیں۔[۵] مگر یہ بھی دراصل جمہور ائمہ اور مفسرین ہی کی تاکید ہے۔

---

[۱] ماخوذ از احکام القرآن ابن العربی ۱/۲۱۷ بیروت، تفسیر اضواء البیان، محمد امین شنقیطی ۱/۲۸۱، ریاض المغنی، ابن قدامہ ۶/۱۵، ریاض [۲] المغنی، ابن قدامہ ۶/۱۵، [۳] معہود ذہنی کی بحث کے لئے دیکھئے تفسیر روح المعانی، علامہ شہاب الدین آلوسی ۲/۱۶۰ مطبوعہ بیروت [۴] تفسیر ابن جریر ۲/۳۶۴، تفسیر در منثور، علامہ سیوطی ۱/۳۱۰ [۵] تفسیر ابو سعود ۱/۲۳۷، روح المعانی ۱/۱۶۰، المغنی ۶/۱۵

۸۔ اس سلسلے میں ایک اچھی اور معقول بات یہ بھی ہے کہ آیت ۲۴۱ کی رو سے (اس کے ظاہری حکم کے مطابق) تمام مطلقہ عورتوں کو متاع دینے کی بات کہی گئی ہے اور متاع کے لغوی معنی چونکہ فائدہ بخش چیز کے ہیں۔ لہذا اس لحاظ سے جس عورت کو مہر مل سکتا ہو اس کا متاع صرف مہر ہی ہے اور جس کو مہر نہیں مل سکتا اس کا متاع "متعہ طلاق" ہے[۵]

دونوں آیتوں کا فرق | اب آیت ۲۳۶ اور ۲۴۱ کا "الفاظ اور اسلوب کلام کے اعتبار سے فرق دکھا کر اس بحث کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ پہلی آیت متعہ کا حکم بصیغۂ "امر" دیا گیا ہے جب کہ دوسری آیت میں بصیغۂ "خبر" مذکور ہے لہذا ان دونوں کے اقتضاء میں واضح اور بین فرق ہے۔

۲۔ پہلی آیت میں امر کے ساتھ ساتھ "مفعول مطلق" کے ذریعہ اس حکم کی مزید تاکید کی گئی ہے۔ جو دوسری آیت میں مفقود ہے۔

۳۔ پہلی آیت کے مطابق مطلقہ ۱ کے لئے یہ حکم بطور "نص قطعی" ثابت ہے۔ جب کہ دوسری آیت کے مطابق بقیہ تین قسم کی مطلقہ عورتوں کے بارے میں نہ تو نص قطعی موجود ہے اور نہ ہی واضح طور پر کوئی حکم کہ یہ کن مطلقہ عورتوں کے لئے ہے۔

۴۔ اب رہا معاملہ "لام استغراق" کے امکان کی بدولت دیگر مطلقہ عورتوں کے لئے بھی اس حکم کے احتمال کا تو "لام معہود ذہنی" کا امکان اس احتمال کو قطعیت عطا کرنے میں حارج نظر آتا ہے جب کہ شان نزول کی وجہ سے ہر پہلو بالکل کمزور اور دوسرا پہلو قوی دکھائی دیتا ہے۔

۵۔ لہذا اس مسئلے میں تمام متعلقہ عورتوں کے لئے وجوبِ متعہ پر کسی بھی قسم کی قطعیت کا دعوٰی نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ سارے دلائل مطلقہ ۱ ہی کے حق میں جاتے ہیں۔

جمہور کا مسلک | اب رہا معاملہ ائمہ اور مفسرین کا۔ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ان کی اکثریت اسی مسلک کی قائل ہے کہ وجوب صرف مطلقہ ۱ ہی کے لئے ہے۔ اور بقیہ اقسام کے لئے متعہ صرف مستحب ہے بالفاظ دیگر سوائے مطلقہ ۱ کے کوئی دوسری مطلقہ قانونی طور پر متعہ کی مستحق نہیں ہو سکتی ہاں البتہ اخلاقی طور پر کچھ دے دینے میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت درجہ قوی، متوازن اور معقول مسلک نظر آتا ہے جس کے ائمہ ثلاثہ (امام مالک کو چھوڑ کر) اور جمہور مفسرین قائل نظر آتے ہیں۔ بلکہ امام اللغہ علامہ ابن

---

[۵] ماخوذ از احکام القرآن، ابن العربی ۱/۲۱۸

منظور افریقی مصری تک نے اس مسلک کے قوی ہونے کی بنا پر ایک دوسرے امام لغت علامہ ازہری کے حوالے سے لسان العرب میں اس کو درج کر کے اس مسلک کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ موصوف زیر بحث دونوں آیتوں کو درج کر کے وہی مسلک بیان کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

قال الازهري :- وهذا التمتيع الذى ذكره الله عزوجل للمطلقات على وجهين : احدهما واجب لا يسعه تركه . والاخر غير واجب يستحب له فعله . فالواجب للمطلقة التى لم يكن زوجها حين تزوجها سمّى لها صداقاً ولم يكن دخل بها حتى طلقها فعليه ان يمتعها بما وعزوجان من متاع ينفعها به من ثوب يلبسها اياه او خادم يخدمها ، او دراهم او طعام . وهو غير مؤقت لان الله عزوجل لم يحده بوقت و انما امر بتمتيعها فقط . وقد قال على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعاً بالمعروف . واما المتعة التى ليست بواجبة و هى مستحبة من جهة الاحسان والمحافظة على العهد ، فان يتزوج الرجل امراة ويسمى لها مهراً ثم يطلقها قبل دخوله بها او بعده فيستحب له ان يمتعها بمتعة سوى نصف المهر الذى وجب عليه لها ان لم يكن دخل بها ، المهر الواجب عليه كله ان كان دخل بها ، فيمتعها ينفعها بها و هى غير واجبة عليه . ولكنه استحباب ليدخل فى جملة المحسنين او المتقين والعرب تسمى ذلك كله متعة ومتاعاً [1]

ازہری کہتے ہیں کہ یہ نفع رسانی جس کا ذکر اللہ نے مطلقہ عورتوں کے لئے کیا ہے دو طرح سے ہے۔ ایک تو واجب ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ اور دوسری غیر واجب ہے جس کا کرنا صرف مستحب ہے تو یہ واجب اس مطلقہ کے لئے ہے جس سے نکاح کرتے وقت شوہر نے مہر مقرر نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دی تھی۔ تو اس صورت میں اس کے لئے لازم ہے کہ وہ مطلقہ کو حسب استطاعت کوئی فائدہ بخش چیز دے دے۔ یعنی اس کو کوئی کپڑا پہنا دے یا کوئی خدمت گار فراہم کر دے یا نقدی یا اناج دیدے اور یہ نفع رسانی غیر موقت (غیر میعادی) ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ صرف نفع رسانی کا حکم دیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ متعہ رواج کے مطابق صاحب تیسیر پر اس کی استطاعت

---

[1] لسان العرب ، ابن منظور افریقی مصری ۸/۳۳۰ ، ۳۳۱ ، بیروت

کے لحاظ سے اور تنگ دست پر اس کی استطاعت کے لحاظ سے ہوگا۔ (لہٰذا اس کے لئے کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کی جاسکتی۔) اب رہا وہ متعہ جو واجب نہیں بلکہ صرف احسان اور وفائے عہد کے اعتبار سے مستحب ہے تو وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت کا مہر مقرر کر کے نکاح کرنے کے بعد اس کو چھونے سے پہلے یا بعد میں طلاق دے دے۔ تو پہلی شکل یعنی چھونے سے پہلے یا بعد میں طلاق دینے کی صورت میں اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ نصف مہر واجب کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ بطور متعہ دے۔ اور دوسری شکل یعنی چھونے کے بعد طلاق دینے کی صورت میں عورت کا پورا مہر دینے کے ساتھ متعہ دینا بھی مستحب ہے اور ان شکلوں میں یہ متعہ غیر واجب ہے لیکن اس استحباب کی بنا پر وہ محسن اور متقی لوگوں کے زمرے میں داخل ہو سکتا ہے۔ اور اہل عرب اس قسم کی نفع رسانی کو "متعہ" یا "متاع" کا نام دیتے ہیں۔

قرآن کی بلاغت اور اس کا حکیمانہ اسلوب اس موقع پر ضمناً ایک حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قرآن حکیم نے اس حکم کے ضمن میں جہاں یہ فرمایا ہے "حقاً علی المحسنین" اور "حقاً علی المتقین"، تو اس کے ذریعہ دراصل نوع انسانی کو احسان اور حسن اخلاق و کردار پر ابھارنا مقصود ہے۔ طلاق کا موقع چونکہ انتہائی رنجش اور تلخیوں کا ہوتا ہے۔ اور طبیعت بسا اوقات قابو نہیں رہتی۔ بلکہ جذبات سے مغلوب ہو کر بعض اوقات انسان پاگل ہونے کے قریب پہنچ چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے نازک موقع پر مطلقہ عورتوں تک سے حسن سلوک سے پیش آنے اور اخلاق و شرافت کا دامن نہ چھوڑنے کی تاکید کرنے کا اس سے بہتر اسلوب ممکن نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایک انتہائی بلیغ اخلاقی حکم ہے جس کو قانون کے پیمانوں سے ناپا نہیں جا سکتا۔

قرآن حکیم کی بلاغت اور اس کی حقیقت شناسی کا ایک اور نمونہ بھی ملاحظہ ہو کہ اس کتاب حکمت میں جہاں کہیں بھی طلاق کے معاملات مذکور ہیں وہاں پر اصلاً عورت سے کوئی تعارض نہیں کیا گیا ہے خواہ اسباب طلاق کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ بلکہ ہر جگہ مرد ہی کو شرافت اور احسان پر ابھارا گیا ہے۔ خواہ طلاق عورت کی زیادتی ہی کی وجہ سے کیوں نہ پیش آئی ہو۔ چونکہ عورت ایک کمزور مخلوق ہے اس لئے مرد کو ہمیشہ یہ تاکید ہے کہ وہ رنجش کے باوجود عورت کو (خواہ زیادتی کسی کی بھی ہو) ایسے موقعوں پر وقار اور احترام کے ساتھ رخصت کر دے اور آپس معاملے کو کسی بھی طرح گلی کوچوں میں نہ آنے دے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ عورت ہر صورت میں معافی اور درگزر کی مستحق ہے۔ کیونکہ عورت ہی کے سہارے تمدن انسانی کی گاڑی آگے بڑھ سکتی ہے۔ اور وہ اس گاڑی کے دو پہیوں میں سے ایک ہے جو اگر ٹوٹ جائے تو گاڑی رک جائے گی اور یہ چمن حیات بالکل سونا سونا بلکہ کانٹوں بھرا ہو کر رہ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان احکام کے ضمن میں جگہ جگہ "معروف" یعنی شرافت اور حسن اخلاق

کا حوالہ بار بار دیا گیا ہے[1]۔

چونکہ خالقِ کائنات اپنی مخلوقات کی کمزوریوں سے بخوبی واقف ہے۔ اس لئے وہ تمام احکام ہر ایک کی فطرت اور ساخت و پرداخت کی مناسبت سے دیتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عورت دھتکارے جانے کے لئے نہیں بلکہ انس و محبت کی خاطر پیدا کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اس پہلو پر زور دیا گیا ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے قدم قدم پر طبقہ نسواں کا خصوصی خیال رکھا ہے۔ اور اس کی ساخت و فطرت کی مناسبت سے اس کے ساتھ نرمی اور ملائمت کا رویہ ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے۔ مگر اس کے باوجود اسلام پر یہ غلط الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے تمام رعائتیں مردوں ہی کو دی ہیں اور صنفِ نازک کا کوئی خیال نہیں رکھا جو محض ایک پروپیگنڈہ ہے۔

متاع کی مقدار کیا ہے | اب آیئے تیسرے سوال کی طرف کہ اسلامی شریعت میں متاع یا متعۂ طلاق (تحفۂ طلاق) کی مقدار کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور عام فقہائے احناف کے نزدیک اس کا ادنیٰ درجہ تین کپڑے (کرتہ، اوڑھنی اور چادر) ہیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رض اور حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے[2] اس حدیث کو بیہقی نے حضرت ابن عباس رض سے روایت کیا ہے[3]۔

نیز حضرت ابن عباس رض سے یہ بھی مروی ہے کہ "متعہ کا اعلیٰ درجہ ایک خادم (پھر اس سے کم درجہ خرچ کے لئے کچھ پیسے) اور اس سے کم درجہ کپڑے ہیں"[4]۔

متعہ میں کپڑے یا ان کی قیمت کچھ بھی دی جا سکتی ہے[5] مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ رقم نصف مہر سے زائد نہ ہونی چاہئے[6] کیونکہ مطلقہ ۱ کا مہر اگر مطلقہ ۲ ہی کی طرح پہلے سے مقرر ہوتا تو اس صورت میں اس کو نصف مہر ہی ملتا۔

امام احمد اس بارے میں ابن قدامہ کے بیان کے مطابق دو مختلف روایات مروی ہیں جن میں سے ایک

---

[1] متاعاً بالمعروف: ای بالوجہ الذی تستحسنہ الشریعۃ والمروۃ (تفسیر ابو سعود ۱/۲۴۴)

[2] ہدایہ اولین: ص ۳۰۵ نیز ملاحظہ ہو موطا امام محمد باب متعۃ الطلاق [3] نصب الرایہ، زیلعی ۳/۲۰۱

[4] احکام القرآن جصاص ۱/۴۳۴، المغنی ابن قدامہ ۶/۷۱، تفسیر ابن کثیر ۱/۲۸۷

[5] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ۴/۱۲۲ (مصر) [6] تفسیر کبیر ۶/۱۳۹، تفسیرات احمدیہ ص ۱۱۰ تفسیر آیات الاحکام، صابونی۔

یہ ہے کہ متعہ کا اعلیٰ درجہ خادم ہے۔ جب کہ مرد مالدار ہو۔ اور اگر غریب ہو تو اس کے لئے تین کپڑے (کرتہ، اوڑھنی اور نماز پڑھنے کے لئے کوئی کپڑا) دینا ضروری ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس مقدار کا تعین حاکم کرے گا اور یہی قول امام شافعی کا بھی ہے[1] مگر امام شافعی کا دوسرا قول جس کو امام رازی نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ "مالدار آدمی کے لئے خادم دینا مستحب ہے۔ اور متوسط کے لئے ۳۰ درہم ہے اور مفلس کے لئے تھوڑی سی مقدار"[2]

علامہ طبری نے اپنی تفسیر میں سلف سے بعض روایتیں نقل کی ہیں۔ جو زیادہ تر چند کپڑوں تک ہی محدود ہیں۔ بعض روایات میں اعلیٰ درجہ خادم اور ادنیٰ درجہ کپڑے یا نقد رقم ہے۔ ابن سیرین کی ایک روایت کے مطابق حضرت حسن بن علیؓ نے بطور متعہ دس ہزار (درہم) دئے تھے۔[3]

ان تمام تفصیلات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں متعہ طلاق یعنی "تحفہ طلاق" کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے۔ مگر جیسا کہ اوپر گذر چکا کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ایسی کوئی بھی رقم نصف "مہر مثل" سے زائد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ موصوف کے نزدیک مہر ایک ایسا معیار ہے جس کا اعتبار خود شریعت نے کیا ہے جیسا کہ مطلقہ اگر مطلقہ ۲۴ کی جگہ ہوتی۔ تو اس کو مہر مثل ملتا۔ لہٰذا وہ پہلی صورت میں بھی اس سے زیادہ کی مستحق نہ ہوگی[4] مگر صاحب ہدایہ نے اس قول کو مرجوح قرار دیا ہے۔ کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ نص قرآنی کے مطابق مرد کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

علی الموسع قدرہ وعلی المقتر قدرہ[5] یعنی "مالدار پر اس حیثیت کے مطابق اور غریب پر اس کی حیثیت کے مطابق"۔ البتہ صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ متعہ کے باب میں عورت اور مرد دونوں کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اس کی اصل مقدار پانچ درہم ہوگی[6] علامہ ابن عابدین شامی اور علامہ جصاص رازی نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے[7]

حاصل بحث یہ کہ شریعت نے اپنی طرف سے متعہ طلاق کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی۔ بلکہ اس کا ایک خاکہ پیش کر کے اس کو حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ اس پوری بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ یہ معاملہ زیادہ تر میاں بیوی یا خاندان کے افراد کے درمیان طے ہونے والا آپس کا ایک معاملہ ہے

---

[1] المغنی، ابن قدامہ ۶/۷۱، نیز دیکھئے تفسیر مظہری ۱/ ۳۳۲ [2] تفسیر کبیر ۶/ ۱۳۹ طبع جدید تہران [3] تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن جریر ۲/ ۳۲۸ [4] دیکھئے تفسیر کبیر ۶/۱۳۹ [5] ہدایہ اولین ص ۲۰۵ (مجتبائی دہلی) المغنی ۶/۷۱ [6] درمختار برحاشیہ ردالمختار، یعنی فتاوی شامیہ ۲/ ۳۶۵ (کوئٹہ) [7] ملاحظہ ہو فتاوی شامیہ (ردالمختار) ۲/ ۳۶۵ احکام القرآن، جصاص ۱/ ۴۳۳ نیز دیکھئے المغنی ۶/ ۷۱

اور اس کو عدالتوں (اور وہ بھی سیکولر عدالتوں) کے دائرہ میں نہیں لایا جا سکتا۔ اور اس سلسلے میں کوئی قانون بنا کر سب کو اس کی پابندی پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ چیز زوجین کی معاشی حالت اور خاندان کے احوال پر مبنی ہے

اس سلسلے میں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ "متاع" کی مقدار اور اس کا جو بھی مدلول نکالا جائے وہ "معروف" کے دائرے کے اندر ہونا چاہئے کیونکہ قرآن حکیم "متاع بالمعروف" کہتا ہے "متاع بالمنکر" نہیں کہتا یعنی یہ نہیں کہ جس کے جی میں جو آئے وہ کر ڈالے۔ یا کوئی من مانا قانون بنا کر سب کو اس کی پابندی پر مجبور کر ڈالے۔ لہٰذا ایسا کوئی بھی قانون جو "معروف" یا عقل و شرع کے خلاف ہو وہ باطل ہوگا۔ اور پورے اسلامی دور میں اس قسم کا کوئی بھی قانون کبھی نہیں بنایا گیا کیونکہ یہ چیز سلف صالحین کے تعامل پر مبنی ہے۔

کیا متعہ میں نفقۂ عدت شامل ہے؟ اب آئیے چوتھے سوال کی طرف کہ آیا متاع یا متعہ طلاق نفقۂ عدت پر بھی ہو سکتا ہے؟ تو مذکورہ بالا تمام مباحث اور مفسرین و فقہا کی تصریحات کے پیش نظر اس کا جواب نفی میں ہے سلف صالحین اور فقہائے کرام میں سے کسی کا بھی یہ مسلک نہیں تھا اور نہ اس بارے میں متقدمین کا کوئی قول ملتا ہے۔ ہاں متاخرین میں البتہ ایک گمنام قول اس باب میں (وقیل المراد بالمتاع نفقة العدة) کی شکل میں ضرور ملتا ہے جس کا اولین ماخذ علامہ زمخشری (۴۶۷ - ۵۳۸ھ) کی تفسیر کشاف ہے[1]

اس سے قبل کسی مرجع میں یہ قول میری نظروں سے نہیں گزرا۔ لہٰذا گمان غالب یہی ہے کہ یہ خیال بہت بعد کی پیداوار ہے۔ مگر وہ بھی راجح نہیں اور نہ اس کا پتہ ہی ہے کہ وہ کس کا قول ہے اور اس پر کس نے عمل کیا ہے اسی وجہ سے اس کو "قیل" کے عنوان سے سب سے آخر میں بیان کیا گیا ہے چنانچہ امام رازی اور علامہ آلوسی وغیرہ نے اس قول کو محض ایک قول کے طور پر نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہوئے اس پر کوئی بحث نہیں کی ہے اس لحاظ سے یہ کوئی مستند اور قابل لحاظ مسلک نہیں ہے جس کی طرف توجہ کی جائے۔

یہ خیال غالباً سورہ بقرہ کی آیت ۲۴۰ کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ چنانچہ اسلام کے دور اول میں (آیت میراث کے نزول سے پہلے) بیوہ عورتوں کو ایک سال کے گزر معاش کا بندوبست کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو شوہر کے وارثین کے ذمہ عائد کیا گیا تھا۔ مگر آیت میراث کے نزول کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ جیسا کہ مفسرین اور خصوصاً صاحب لسان العرب نے تصریح کی ہے۔ لہٰذا اب اس قسم کا کوئی حکم باقی نہیں رہا۔

پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ یہ اور آیت ۲۴۱ دونوں متصل ہی واقع ہوئی ہیں۔ لہٰذا ہو سکتا ہے

---

[1] جلد ۱ ص ۳۷۷۔ مطبوعہ تہران

کہ اس کی وجہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہو مگر صاحب لسان العرب کی یہ تصریح بھی گزر چکی ہے کہ لفظ متاع میں "توقیت" کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

کیا نفقہ عدت کے بغیر بھی مل سکتا ہے؟ اب رہا پانچواں اور آخری سوال کہ کیا کسی وجہ سے متاع کو عدت کے بعد بھی جاری رکھا جا سکتا ہے؟ تو صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک مہمل اور نامعقول سوال ہے عدت کے بعد اسلامی شریعت میں جب خود "نفقہ" ہی ساقط ہو جاتا ہے تو پھر اس متاع کو کھینچ کر عدت کے باہر کیسے لے جایا جا سکتا ہے جس کی "ٹانگیں" ہی نہیں ہیں؟ دھاندلی اور زبردستی یا دوسرے لفظوں میں "ڈنڈے کے قانون" کی بات اور ہے۔ مگر جہاں تک عقل و منطق اور استدلال کا تعلق ہے اس کی رو سے یہ جدید قانون بالکل ہی تہی مایہ ہے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ خلاف شرع ہی نہیں بلکہ خلاف عقل بھی ہے۔ جیسا کہ تفصیل پچھلے باب میں گزر چکی ہے۔

عورت کی غلامی یا آزادی؟ ہاں البتہ اس موقع پر اتنا کہنا ہے کہ جدید قانون کی رو سے عدت ختم ہو جانے کے بعد بھی طلاق شدہ عورت کو سابقہ شوہر ہی کی "بیوی" قرار دینے پر خواہ کتنا ہی اصرار کیوں نہ کیا جائے مگر وہ اسلامی شریعت کی رو سے ایک منٹ کے لئے بھی بیوی نہیں رہتی اور سابقہ شوہر سے اس کا کوئی تعلق یا سمبندھ نہیں رہتا کیونکہ اسلامی شریعت کے مطابق "متعہ واجبہ" ادا کر دینے کے بعد وہ بالکل آزاد ہو جاتی ہے کیونکہ مطلقہ ما پر کسی قسم کی عدت بھی نہیں ہے۔ بلکہ وہ وقوع طلاق کے فوراً بعد اپنا دوسرا نکاح کر سکتی ہے سورہ ۱۵ کی آیت ۴۹ کے مطابق عورت کو "متعہ" دینے کے بعد اس کے بالکل "آزاد ہو جانے" کی صراحت کی گئی ہے۔ جہاں پر "تسریح" اور "سراح" کے الفاظ استعمال کئے گئے۔ لہٰذا طلاق کے بعد "تسریح" کا مطلب یہ ہوا کہ عورت مرد کے "بندھن" سے بالکل آزاد ہو چکی ہے۔ اب وہ جہاں چاہے جائے۔ اور جس طرح چاہے اپنے معاشی مسئلے کا حل تلاش کرے۔

اب اس موقعہ پر طلاق اور نفقہ کی بحث کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی کر کے ذرا سوچئے تو سہی کہ اسلام عورت کو "آزادی" کی کتنی بڑی نعمت دے رہا ہے اور دنیا کیا کرنے جا رہی ہے۔ اگر تعصب کی عینک ہٹا کر حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اسلام درحقیقت عورت کو آزادی کا تحفہ اور اس کے معاشی و سماجی حقوق کی ضمانت دے رہا ہے کہ وہ اسلامی نظام کے تحت کسی کے جبر یا بے تصرف یا دباؤ میں نہیں رہ سکتی۔ اور کوئی شخص اس کی آزادی کو سلب نہیں کر سکتا۔ مگر عورت کی اس آزادی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے عورت کو "غلامی کی زنجیروں" ہی میں زبردستی باندھے رکھنا کیا کوئی معقول بات ہے؟ بلکہ یہ تو ایک جاہلی تصور بلکہ عورت کی توہین ہے جو اسلام کے تصور اور آزادیٔ فرد کے خلاف ہے اور یہ دراصل ہندو ذہن کی پیداوار

حیرت کی بات ہے کہ ایک طرف تو عورت کے یہ نام نہاد وکیل عورت کی مظلومیت اور اس کی حق تلفی کا رونا خوب روتے رہتے ہیں۔ مگر جہاں کہیں اسلام عورت کے حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے اس کو ایک باوقار مقام دے رہا ہو تو فوراً اس کو غلط رنگ دے کر محض پروپیگنڈے کے زور پر ایک کھلی ہوئی حقیقت تک کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیتے ہیں۔ گویا عورت کی آزادی کو پھر سے غلامی میں تبدیل کر کے اس کو دوسرے طریقے سے مارنا چاہتے ہیں۔ کیا عورت کے ساتھ یہی انصاف ہے؟ کیا عورت کو پھر سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے والے عورت کے دوست یا اس کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟

اب ذرا اہل انصاف دل پہ ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ انہیں مسلم معاشرہ کے مطابق عورت کی یہ "نعمت آزادی" پسند ہے یا ہندو معاشرے کے مطابق عورت کا گھٹ گھٹ کر مرنا یا پھر جہیز کے دیوتا کی بھینٹ چڑھایا جانا اب انہیں بہرحال اختیار ہے کہ اپنے لئے جو بھی راستہ چاہیں پسند کریں مگر مسلمانوں کو اس کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکرداری میں نہ گھسیٹیں کیونکہ آج ہزار خرابیوں کے باوجود مسلم معاشرہ اس قسم کی گندگیوں سے بہت بڑی حد تک محفوظ ہے اور جب تک دفعہ ۱۲۵ اس پہ زبردستی مسلط نہیں کی جاتی اس وقت تک وہ محفوظ ہی رہے گا۔

خلاصۂ بحث اس باب کے مباحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ لفظ متاع تھوڑے سے فائدے یا عارضی منفعت پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ اس لفظ میں نفقہ کا مفہوم لغوی یا اصطلاحی طور پہ شامل نہیں ہے۔

۳۔ اس لفظ میں زوجیت کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

۴۔ عورت کو طلاق کے وقت اس کی دلجمعی کی خاطر جو چیزیں دی جاتی ہیں انہیں متاع کہا جاتا ہے اور اس کا دوسرا نام اسلامی اصطلاح میں "متعۂ طلاق یا" طلاق کا تحفہ "ہے۔

۵۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ تحفہ صرف اس مطلقہ کے لئے واجب ہے جس کا مہر متعین نہ ہو اور اسے ہاتھ بھی نہ لگایا گیا ہو اور بقیہ تینوں قسم کی مطلقاؤں کے لئے مستحب ہے۔

۶۔ متعۂ طلاق کا اعلیٰ درجہ اسلامی روایات کے مطابق ایک خادم اور کمتر درجہ عورت کے لئے چند کپڑے فراہم کرنا۔

۷۔ متعۂ طلاق کی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ اس میں صحیح بات یہ ہے کہ مرد کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا۔

۸۔ اس سلسلے میں کوئی قانون بنا کر پورے معاشرے کو اس کا پابند نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ یہ چیز "احسان" کی قبیل سے ہے لہذا اگر کوئی مرد چاہے تو اپنی مطلقہ کو ہزاروں روپے بھی دے سکتا ہے مگر قانون بنا کر

اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ پورے اسلامی دور میں اب تک ایسی کوئی حرکت نہیں کی گئی۔

۹۔ لفظ متاع کی رو سے نفقہ کا مفہوم نکالنا اور وہ بھی عدت گزر جانے کے بعد (جب تک کہ عورت دوسری شادی نہ کرے) ایک خلافِ اسلام اور خلافِ شریعت قانون ہے جو باطل ہونے کی وجہ سے بالکل کالعدم قرار دئے جانے کے قابل ہے۔

متاع اور نفقہ میں فرق | متاع کی اس لغوی تحقیق و تفصیل کے بعد اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ متاع اور نفقہ کے الفاظ میں جو لغوی اور قانونی فرق ہے اس پر بھی تھوڑی سی روشنی ڈال دی جائے تاکہ یہ بحث ہر اعتبار سے مکمل ہو جائے اور ہر چیز نکھر کر سامنے آ جائے۔ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ متاع کا لفظ تھوڑے سے فائدے یا عارضی منفعت پر دلالت کرتا ہے اور اس سے مراد گھریلو سامان بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں نفقہ وہ خرچہ ہے جو کسی شخص پر کسی رشتے ناطے یا زوجیت وغیرہ کے تعلق سے عائد ہوتا ہے۔

النفقة: ما يبذله الرجل ويصرفه من ماله، تبرّعاً او في مقابل عوض يبتغيه او ينفقه على نفسه وذويه

یعنی نفقہ وہ چیز ہے جس کو کوئی اپنے مال میں سے بطور تبرّع یا کسی چیز کے عوض خرچ کرتا ہو یا اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہو[1]

والانفاق قد يكون في المال وفي غيره، وقد يكون واجباً و تطوّعاً
یعنی انفاق مال میں بھی ہو سکتا ہے اور دوسری چیزوں میں بھی۔ اور وہ واجب بھی ہو سکتا ہے اور نفل بھی[2]

النفقة ما انفق۔ نفقہ وہ چیز ہے جو خرچ کیا جائے[3]

نفقہ کا تعلق انفاق سے ہے اور قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی "خرچ کرنے" (اللہ کی راہ میں یا اپنے اہل و عیال پر) کا حکم دیا گیا ہے وہاں پر نفقہ اور انفاق ہی کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ نہ کہ متاع کا لفظ، مثلاً

وما انفقتم من نفقةٍ او نذرتم من نذرٍ فان الله يعلمه ۰
اور تم جو کچھ خرچہ کرتے ہو یا کوئی نذر مانتے ہو تو اللہ ان (سب چیزوں) کو جانتا ہے (البقرہ ۲۷۰)

قل ما انفقتم من خيرٍ فللوالدين والاقربين واليتامٰى والمسٰكين وابن السبيل ط وما تفعلوا من خيرٍ فان الله به عليم ۰ کہدو کہ جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ ماں باپ، رشتہ دار، یتیموں

---

[1] معجم الفاظ القرآن الکریم ۲/۵۰، [2] مفردات القرآن، راغب اصفہانی۔ ص ۵۰۲
[3] لسان العرب ۱۰/۳۵۸

محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے اور تم جو کچھ بھی نیکی کروگے اللہ اس کو خوب جانتا ہے (بقرہ ۲۱۵)

الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ ثم لا یتبعون ما انفقوا منًّا ولا اذًی لھم اجرھم عند ربھم۔

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ کسی پر احسان جتاتے ہیں اور نہ کسی قسم کی تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لئے اللہ کے پاس اجر ہے (بقرہ ۲۶۲)

اس طرح نفقہ اور متاع میں واضح اور کھلا ہوا فرق موجود ہے اور یہ دونوں کسی بھی صورت میں ایک نہیں ہو سکتے۔ اوپر جو آیات بطور نمونہ پیش کی گئیں وہ زیادہ تر عمومی نفقات سے متعلق ہیں۔ اب اس موقع پر چند مثالیں نفقات واجبہ کے سلسلے میں بھی ملاحظہ ہوں جو خصوصیت کے ساتھ بیویوں کے نفقہ سے متعلق ہیں۔

لینفق ذو سعۃٍ من سعتہ ومن قدر علیہ رزقہ فلینفق مما اتہ اللہ

مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگدست ہے تو جو اللہ نے اسے دیا ہے اس میں سے خرچ کرے (طلاق ۷)

وان کن اولات حملٍ فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن ۔

اور اگر وہ حمل والی ہوں تو ان پر اس وقت تک خرچ کرو جب تک کہ ان کا حمل وضع نہ ہو جائے (طلاق ۶)

پھر یہ نفقہ یا انفاق کیا ہے؟ اس کی تشریح دوسرے مقام پر اس طرح کی گئی ہے کہ اس سے مراد رواج کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے۔

وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف

اور لڑکے والے (یعنی باپ) پر ان عورتوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق ضروری ہے۔ (بقرہ ۲۳۳)

دیکھئے قرآن حکیم میں یہ دونوں الفاظ یعنی متاع اور نفقہ ایک ہی معنی و مفہوم ہرگز نہیں رکھے بلکہ ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر ایک کی جگہ پر دوسرا لفظ رکھ دیا جائے تو مطلب بالکل خبط اور مہمل ہو کر رہ جائے گا۔ مگر عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث اپنے جی سے ایک نیا مطلب گھڑ کر نکالنا اور پھر اس کی صحت پر اصرار کرنا جہل مرکب نہیں تو پھر کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ علم و تحقیق کی دنیا میں اس قسم کی دھاندلی اور ہلڑ بازی چل نہیں سکتی۔ اس کو علم و قلم کی رسوائی کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ پہلے تو بعض ججوں اور قانون دانوں نے ایک غلط فیصلہ کرنے کی غرض سے قرآن حکیم کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ مگر اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس غلط اور لغو فیصلے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بعض نام نہاد مسلمان جو درحقیقت ملحد، بے دین، کیمونسٹ اور غیر ملکی ایجنٹ ہیں۔ "علم" کا لبادہ اوڑھ

کر میدان میں آ گئے۔ اور قرآن حکیم کی تحریف و تلبیس کو عین اسلام ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی۔ گویا ان کا مقصد قرآن کا اتباع نہیں بلکہ بعض وقتی و عارضی فوائد کے لئے آیاتِ الٰہی کو بیچنا اور حق کو باطل کے ساتھ ملوث کرنا ہے جس کی مذمت خود قرآن حکیم نے سخت الفاظ میں کی ہے۔

ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً وایای فاتقون - ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون ۰

اور میری آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور سچ کو جھوٹ میں نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق بات نہ چھپاؤ (البقرہ ۴۱، ۴۲)

متاع مہر سے متعلق اس بحث کے آخر میں ضمناً یہ بات بھی بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ قرآن مجید میں جہاں پر نفقات واجبہ کا تذکرہ آیا ہے وہاں پر زیادہ تر بیویوں کا ذکر ہے (ملاحظہ ہو سورہ بقرہ ۲۳۳، طلاق ۶، ۷ اور ممتحنہ ۱۰) اس سے عورتوں کے حقوق کی نگہداشت پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ یہ اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ دنیا کے تمام مذاہب کے مقابلے میں نکاح کے موقع پر عورت کو ایک قابل لحاظ مال مہر کی شکل میں دلاتا ہے اور مہر کی ادائیگی نکاح کے فوراً بعد شوہر پر شرعاً واجب ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی تاکید آئی ہے۔ اسی طرح نکاح کے بعد جب کہ بیوی بالغ ہو اس کا نان و نفقہ بھی شوہر کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے اس لحاظ سے نکاح کے بعد شوہر پر شرعاً دو چیزیں عائد ہوتی ہیں ایک بیوی کا مہر اور دوسرے اس کا نفقہ۔ اور اس سلسلے میں قرآن مجید میں تین الفاظ لائے گئے ہیں جو یہ ہیں۔

نفقہ، اجر اور متاع۔ اور قرآن مجید میں مہر کو عورتوں کا "اجر" کہا گیا ہے مثلاً

فما استمتعتم به منهن فاٰتوهن اجورهن فريضة

جن عورتوں سے تم لطف اندوز ہو چکے ہو ان کے مقررہ معاوضے (مہر) انہیں دیدو (نساء ۲۴)

ولا جناح علیکم ان تنکحوهن اذا اٰتیتموهن اجورهن۔

اور تم پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ تم ان سے نکاح کر لو جب کہ تم ان کے معاوضے (مہر) انہیں دیدو (ممتحنہ ۱۰)

متاع دراصل اسی اجر (جمع اجور) کی ایک شکل ہے۔ جو مہر کے سلسلے میں ہے نہ کہ نفقہ کے سلسلے میں۔

هذا لصائب